اور بری طرح ٹھٹھر رہا تھا اور لرز رہا تھا اور اس نے اپنی برہنگی کو چھپانے کے لیے کسی حد تک ڈھکنے کے لیے دوسرے ہاتھ سے ایک پھولی ہوئی ربڑ ٹیوب کو اپنے درمیانی حصے کو ڈھانپ رکھا تھا...

"سلام سائیں.." وہ خاور کے قریب ہوا۔

"وعلیکم السلام..."

"سائیں دیری ہوگئی.." اس نے گٹھڑی سر سے اتار کر سرور کو تھمادی اور ٹیوب ریت پر رکھ کر ہاتھ جوڑ کر کھڑا ہو گیا "معافی کا خواستگار ہوں.."

"کوئی بات نہیں.."

"سائیں دراصل.." وہ کولہے پر ہاتھ رکھ کر کچھ تفصیل میں جانے کو تھا کہ ہاتھ کے نیچے اپنے ماس کو محسوس کر کے اسے یکدم اپنی مکمل بے لباسی کا خیال آیا اور اس نے فوراً جھک کر اپنی ٹیوب اٹھائی اور اپنے اگلے پورشن کو پوشیدہ کر لیا" اُدھر برمانی سائیں ہمارے بیلی ہیں تو انھوں نے حکم دیا تھا کہ آج دوپہر غازی گھاٹ کے پل کے نیچے پہنچنا ہے اور آپ کے ساتھ سندھ میں جانا ہے پر سائیں سکول انسپکٹر صاحب اچانک دورے پر آگئے تو مجھے رُکنا پڑا... جماعت بھی چھوٹی نہیں آٹھویں ہے تو مجبور ہو گیا رُکنے کے لیے.. ورنہ سائیں برمانی کا بلاوا ہو تو میں واوروںلے کی طرح نہ پہنچوں تو کیسا بلوچ ہوں، پٹھان ہوں سائیں.. تو غازی گھاٹ دیر سے پہنچا ہوں تو مہانوں نے بتایا کہ سرور کی کشتی تو کب کی نکل چکی ہے... تو میں بھی نکل گیا..."

"تم اس ٹیوب کے سہارے تیرتے ہوئے ہم تک آئے ہو؟" خاور نے بے یقینی سے دریافت کیا۔

"ہاں سائیں.. نارمل بات ہے" اپنی ستر پوش ٹیوب کو ذرا پچکا کر وہ قدرے شرمندگی سے ہنسنے لگا" میں اُدھر سے پانیوں میں اُتر تو گیا پر یکدم اندھیرا تو یوں چھایا ہے جیسے کربلا کی بیبیوں پر رات آگئی ہو.. میں مولا کا نام لیتا تیرتا رہا.. ابھی آپ کے ٹاپو سے بہت دور سائیں سندھ میں ڈولتا بہہ رہا تھا کہ میرے کانوں میں سرور کی آواز آئی کہ... ملاحا... حا.. ہائی نہ بیڑی ٹھیل ساڈھے یار ونجناں... تو میں اس کی آواز پر کان دھرتا ادھر کو تیرنے لگا... پھر مجھے ٹاپو کے درمیان میں بچ کی روشنی دکھائی دی تو میں ادھر آگیا

..سوری سر! مجھے دیر ہو گئی... آپ نے کھانا کھالیا ہے؟.. اگر نہیں تو ابھی جو آپ کے من کی مرضی ہے وہ پکاتا ہوں..."

"اس حالت میں.. پکاتے ہیں؟" خاور کو بھول گیا کہ وہ اس آبی سفر پر کیوں نکلا ہے.. وہ کہاں سے آیا ہے.. اور اس کے اندر زندہ رہنے' بدن میں زوال کی گھنٹیوں کے بجنے کے باوجود اس زندگی کے لیے ایک کشش پیدا ہوئی جس میں ملاح سے درخواست گزار ملاح تھے اور اس کے سامنے سندھ کے مکیش بھرے دوپٹے میں سے ابھر کر آنے والا آسیب فہیم کی صورت میں تقریباً تنگ دھڑنگ کھڑا ٹھٹھرتا تھا اور کہتا تھا.. آپ نے کھانا کھالیا ہے' نہیں تو.. اس لیے کہ اسے سندھ کنارے حیاتی کرنے والوں کی اس آبی آشنائی اور پانی سے محبت اور اسے گھر سمجھنے کی جبلت سے آگاہی نہیں ہوئی تھی.. مرشد اور مرید یک جان تھے ان میں کوئی حجاب نہ تھا..

فہیم ایک ٹیوب کے سہارے شیر دریا میں اتر گیا تھا اور انہیں شب کی تاریکی میں تیرتا ڈھونڈتا پھرا تھا.. جیسے وہ ایک سکوٹر پر سوار گلبرگ یا ڈیفنس میں کسی گھر کو تلاش کرتا ہو..

فہیم نے اس کے یہ دریافت کرنے پر کہ... اسی حالت میں... "سوری سائیں" کہا اور پھر اپنی گٹھڑی اٹھا کر ٹیوب سنبھالتا کنارے سے دور تاریکی میں چلا گیا...

واپس آیا تو ملبوس تھا.. لیکن ابھی تک ٹھٹھر رہا تھا..

"آپ سکول میں ٹیچر ہو؟"

"جی سائیں.. ایک معمولی مدرس ہوں.. مجھے بھی سندھ سائیں میں گھومنے کا' آوارگی کا اور تیرنے کا چسکا ہے... کبھی کبار برمانی سائیں کے ہمراہ کشتی میں بھی نکلتا ہوں.. کھانا وانا بنانے کا بھی شوق ہے.. باورچی تو نہیں ہوں پر یار بیلی کہتے ہیں تو مچھلی اور مرغابی بناتا ہوں تو وہ پسند کرتے ہیں.. گھر میں ہوتا ہوں ناں سائیں تو گھر والی کی ہانڈی کے قریب سے بھی نہیں گزرتا.. پھر ادھر سندھ میں نکلتا ہوں تو کھانا بنانے میں چس آتی ہے.. تو برمانی سائیں نے کہا کہ میرا ایک بیلی آیا ہے تو پہنچو.. میں پہنچ گیا.. ذرا دیری ہو گئی۔"

"تھینک یو فہیم۔"

سرور نے الاؤ کی راکھ میں بدلتی ٹہنیوں اور لکڑی کے مڈھ کو الٹ پلٹ کر چھیڑا تو ان میں سے' بجھتے ہوئے الاؤ میں سے پستہ قد شعلے نکلنے لگے.. حدت بڑھ گئی..

فہیم دونوں ہاتھ پھیلا کر ان کی گرمی کو اپنی سکڑتی پانیوں کی یخ سے نیلی پڑتی ہتھیلیوں میں جذب کرنے لگا..

فہیم کے آنے سے سرور اور جعفر نے اپنے وجود کو منظر سے خارج کر لیا تھا.. بولتے نہ تھے..

"کتنے روز سفر کا ارادہ ہے سائیں.."

"پتہ نہیں..."

"ہاں..." فہیم کی کپکپی کم نہ ہوئی تھی اور اس کی انگلیاں بھی کانپتی تھیں اگرچہ وہ انہیں بار بار الاؤ کے اندر جھونک دیتا تھا" برمانی بھی کہتا تھا کہ پتہ نہیں.. میں اپنے ہیڈ ماسٹر کو درخواست دے آیا ہوں کہ نانی صاحبہ علیل ہیں اور کیا پتہ کب تک علیل رہیں.. تو پروا نہیں' کوئی مسئلہ نہیں.. کہ کب تک۔"

جونہی اس کے بدن میں سے پانیوں کی یخ کو الاؤ کی گرمی نے چوسا' اس کی ہتھیلیاں سیدھی ہوئیں' اس کی کپکپاہٹ کے تسلسل میں وقفے آنے لگے تو وہ چھٹی سے واپس آنے والے . . .ڈیوٹی پر واپس آنے والے کسی نائب صوبیدار کی مانند چوکنا اور چوکس ہو گیا... صورت حال کا سرسری جائزہ لے کر احکامات جاری کرنے لگا... سرور.. تم نے صاحب کا ٹینٹ ادھر کنارے کے اوپر لگایا ہے.. کنارا تو گرتا ہے اور بھرتا ہے یار.. ادھر کیوں لگایا ہے.. کھانے کے بعد صاحب کے لیے چائے بنائی تھی؟ سارا سامان کشتی سے باہر لا کر ناپو پر ڈھیر کر دیا ہے؟.. رات کو بارش کا کیا پتہ' آجائے گی تو بھیگ جائے گا' یار... اسے اندر رکھو... آٹے کی بوری باہر پڑی ہے اسے کنستر میں ڈالو سائیں.. لیکن پہلے صاحب کا خیمہ کنارے سے اکھاڑ کر ادھر لے آؤ ناپو کے درمیان میں.."

سرور اور جعفر بے دام غلاموں کی مانند اٹھے..

"نہیں.. اس کی ضرورت نہیں.." خاور نے ہاتھ بلند کر کے کہا" میں خیمے کے اندر رات نہیں کروں گا.. باہر سوؤں گا.. موسم ایسا ہے کہ باہر سوؤں گا۔"

"باہر تو تریل گرے گی سائیں.. بدن کو اکڑا دے گی۔"

"میں اتنا بوڑھا بھی نہیں کہ باہر سونے سے بدن اکڑ جائے..." اس کے لہجے میں تلخی تھی..

یہ اتنا فوری ردعمل تھا کہ اسے بھی احساس نہ ہوا کہ وہ کیا کہہ گیا ہے.. زوال عمر کو اس نے اپنے اعصاب پر سوار کر لیا تھا۔ اپنی پشیمانی دور کرنے کے لیے اس نے فہیم کے کندھے پر ایک دوستانہ تھپکی دی "میرا جی چاہتا ہے باہر سونے کو... میں آج تک یوں کھلی فضا میں نہیں سویا.."

فہیم اس کے لہجے کی تلخی اور پھر اسے پشیمانی میں بدلتے محسوس نہ کر سکا اور لاپروائی سے بولا "حرج نہیں ہے.. ادھر سندھ کی ریتوں میں کوئی کیڑا سانپ وغیرہ نہیں ہوتا ان دنوں... آپ کا خیال رکھنا میری ذمہ داری ہے سائیں' برمانی نے بہت تاکید کی تھی۔"

اس دوران سرور اور جعفر ان دونوں کو دم سادھے تکتے رہے.. انہیں یوں چپ اور سلگتے الاؤ کی روشنی میں مدھم مدھم جلتے بجھتے دیکھ کر اس پر ایک عجیب حقیقت منکشف ہوئی... یہی دو مہمانے جو آج دوپہر پہلی نظر میں اسے بے وقعت کیڑے مکوڑے سے لگے تھے جن کی رفاقت میں سفر کرنے اور خاص طور پر راتیں گزارنے کے خیال سے اسے ہول اٹھا تھا' ڈر لگا تھا بلکہ ایک خاص حد تک کراہت محسوس ہوئی تھی وہی دو شخص اب اس لمحے الاؤ کی سلگاہٹ میں اسے خوبصورت لگنے لگے تھے..

ان کی بدصورتی اور کراہت سے ایک دھچکی تب اتری تھی جب انہوں نے کمال مشاقی سے کشتی کے کناروں پر دوڑتے بانس کو پانیوں کی تہہ میں اتارتے اسے رواں کیا تھا.. یہ ایک ایسا عمل تھا جو ہر کس و ناکس کے بس میں نہ تھا.. اسے سیکھا نہیں جا سکتا تھا.. یہ کئی نسلوں سے ان کے اندر پرورش پاتا ان کے بدنوں میں مکمل ہوا تھا... جیسے بطخ کا بچہ اپنی دم ہلاتا پہلی بار پانیوں میں اترتا ہے تو وہ خود نہیں تیرتا بلکہ اس کی نسل کی جبلت تیرتی ہے.. اسی طور ایک اور دھچکی تب اتری تھی جب سرور اپنے تولے کی اوٹ میں مرغابیوں کے قریب جانے کے لیے ایک جھاڑی کی مانند بے آواز تیرتا جاتا تھا.. پھر دم روکے مچھلی کا دم روکنے کے لیے جال اٹھائے پانی پر نظریں جمائے بے حس و حرکت بیٹھا ہوا تھا.. پل بھر میں ادھر ادھر سے ٹہنیاں اور مڈھ تلاش کر کے انہیں ریت میں سے کھود کر ان دونوں نے الاؤ دہکا دیا تھا.. چولہا سلگایا

تھا' کھانا تیار کیا تھا.. مٹکے کے منہ پر ململ کی ایک دھجی لپیٹ کر اسے آٹے سے پوت کر ایک ایسا ساز بنالیا تھا' جس کی دھمک دل کے ساتھ ساتھ دھک دھک کرتی تھی اور سر سے باہر نہیں ہوتی تھی.. پرات پر ایسے ہاتھ چلتے تھے کہ ام کلثوم کے آرکسٹرا کے سب سے اہم سازندے دف نواز کی ردھم سے بھی وہ دو ہاتھ آگے چلے جاتے تھے اور پھر وہ گاتے بھی تھے' بے دھڑک اور مست اور کھلی آزاد آوازوں میں..

ان کی بظاہر بدصورتی کی ساری دھجیاں ایک ہی دن میں اتر گئی تھیں اور وہ خوبصورت لگنے لگے تھے.. اس لیے کہ وہ اپنے عناصر کا ایک حصہ تھے' ان سے الگ نہ تھے' پانی کا نُونگ تھے اور اس میں زندگی کرنے کے طور طریقے ان کے خون میں رچے ہوئے تھے' یہی وصف انہیں من موہنا بناتا تھا اور عناصر کی مانند سوہنا بناتا تھا.... آج دوپہر سفر کے آغاز پر وہ شکل والے نہ تھے اور خاور تھا اور اب ان کی شکل تھی اور وہ بے شکل ہو گیا تھا کہ ان عناصر سے جڑا ہوا نہ تھا.. وہ دریا کی مخلوق تھے اور خاور ان سے الگ تھلگ کوئی اور مخلوق ان کا مشاہدہ کرتا تھا' حساب کتاب رکھنے والا شخص تھا عناصر میں جذب ہو کر ان کی خوبصورتی کا حصہ نہ بن سکتا تھا..

"بوٹی تے پیسو فہیم.." سرور نے تاریک سکوت کو توڑا۔

"ہے؟" فہیم شائد اسی پیشکش کا منتظر تھا۔

"کیوں نہیں ہے سائیں.. بوٹی تو تمہاری ہی راہ دیکھتی کھڑی ہے.." اس نے سلور کا ایک چپا اور پچکا ہوا گندا سا گلاس فہیم کی طرف بڑھا دیا.. فہیم نے نہایت اشتیاق سے گلاس تھاما اسے ہونٹوں تک لایا اور پھر کچھ سوچ کر بنا گھونٹ بھرے خاور کی طرف بڑھا دیا "آپ پیو سائیں۔"

"نہیں... میں نے کبھی نہیں پی.."

"تو اب پی لو.."

"نہیں.. میں"

"بے ادبی ہو گی سائیں.." فہیم اپنے علاقے کی طبع کے مطابق خوش مزاج ہو گیا "سندھ ساگر کے بیلوں کی بوٹی ہے کوئی معمولی شے نہیں.. اور بنائی بھی جعفر نے ہے خشخاش' الائچی اور کالی مرچ گھوٹ کر.. کیوں ماماں؟... ہمارے گھروں میں تو مائی باپ اور

نیانے بھی پیتے ہیں سائیں اس ساوی کو... اسی کے بارے میں تو کہاوت ہے ناں کہ... دِنیں گھوٹیاں تے راتی پیتیاں۔ لوکی کہندے مرگئے نیں اساں اللہ نال گلاں کیتیاں.."

"میں ابھی مرنا نہیں چاہتا.." اگرچہ اس نے بھی خوش مزاجی سے ہی انکار کیا لیکن ایک بار پھر لاشعوری طور پر اس میں عمر کا سفر در آیا تھا۔

فہیم نے بوٹی بھرا گلاس لبوں سے لگایا اور ڈیک لگا کر حلق میں اتار لیا..

دھام... دھم دھم... دھام... سرور پھر سے اپنی پرات کو بغل میں داب کر اسے ایک دف کی طرح بجانے لگا.. اور ماماں جعفر اپنے مٹکے کو ٹانگوں کی کنڈلی میں جکڑ کر اس پر تھاپ دینے لگا..

ملاحا... حا.. حا.. ہالی نہ بیڑی ٹھیل ساڈے یار ونجاں

سندھ کے پانیوں پر ٹانکی مکیش پھر سے جھلملانے لگی' ڈوبنے اور ابھرنے اور آنکھیں جھپکانے لگی..

ملاحا... حا... حا..

گئی رات میں پالا اُترتا تھا۔

تریل اُس کے چہرے کو جو گہری نیند میں تھا بے آواز بھگوتی اور سرد کرتی تھی۔

جس ریت پر وہ سلیپنگ بیگ ڈالے گھوک سوتا تھا وہ بھی ٹھنڈی ٹھار ہو چکی تھی..

پانی اور ریت ایک شدید سرد جماؤ کے ٹھہرے ہوئے سکوت میں آئے ہوئے تھے۔

الاؤ کی راکھ کب کی سرد ہو چکی تھی اور نہ دکھائی دیتی تھی اور نہ اپنا کوئی پتہ دیتی تھی کہ وہاں کبھی اس راکھ کے سوا کچھ اور بھی تھا۔

خاموشی کی گھنی چادر میں کوئی ایک تار بھی ایسا نہ تھا جس میں ذرہ بھر سراسراہٹ ہو۔ سکوت بھرے اندھیرے نے ہر شے کو ایسے ڈھانپ رکھا تھا جیسے کسی شے کا کوئی وجود نہیں۔

نیند بھی گہرے سمندروں کی تہہ کی ریت ہوتی ہے' سطح آب پر بے شک آبی پرندوں کے غول غل مچائیں ان کی آواز اس تہہ تک پہنچتی پہنچتی مدھم ہوتی دم توڑ دیتی ہے اور اس ریت کا ایک ذرہ بھی کروٹ نہیں بدلتا.. ہاں اس ذرے کے وجود میں کہیں ایک نامعلوم ارتعاش اسے خبر کر دیتا ہے کہ سطح سمندر پر کوئی بولا ہے.. ایسے ہی کوئی نامعلوم لہر بہت مدھم معدوم ہوتی اس کے کانوں میں آ رہی تھی.. بہت آہستہ مگر ایک تسلسل والی ٹھک ٹھک تھی.. کبھی وہ بہت گہری اور بے آواز ہو جاتی اور کبھی سنائی دینے لگتی... اس کی آنکھ کھل گئی..

تاریکی کے ایک گنبد میں بند' اس کے تلے گم سم وہ لیٹا ہوا تھا اور ایک آواز آ رہی

تھی' ٹھک ٹھک. اس نے سر اٹھا کر آس پاس دیکھنے کی کوشش کی.. الاؤ کی راکھ سے پرے کشتی تھی جو ایک رسے سے بندھی ہوئی تھی لیکن بار بار کنارے سے ٹکراتی تھی' ایک آہستگی ایک طے شدہ ردھم کے ساتھ' ٹھک ٹھک... کہ سندھ کے پانی چڑھ رہے ہیں جو کشتی یوں ڈول رہی ہے' شاید کوئی سیلاب آنے کو ہے... ٹھک ٹھک... کشتی کنارے سے ذرا ہٹتی' وہ رسہ تن جاتا جس کے ساتھ اسے باندھا گیا تھا اور پھر وہ کنارے کی ریت سے آ ٹکراتی.. ہوا کا ایک سانس تک نہ تھا.. اور پھر بھی کشتی قائم نہ رہتی تھی..

"سرور..." وہ سلیپنگ بیگ میں سے نکل کر اٹھ کر بیٹھ گیا "ہو سرور"

وہ سب بھی نیند میں روپوش تھے. کوئی ٹیلے پر.. کوئی ریت کے کسی ابھار کی اوٹ میں.. بوٹی کی مشک میں گم سوتے تھے.. سرور اور پکھی کشتی میں تھے۔

کشتی بے طرح ڈولنے لگی' جیسے ابھی ایک حدت پر آئے ہوئے جانور کی طرح رسہ تڑا کر آزاد ہو جائے گی..

"ماماں جعفر..."

تھوڑی دیر کے بعد.. اور اس دوران رات' سردی اور تاریکی کسمساتی رہی.. کہیں دور سے ایک مشک بھری آواز اس تک پہنچی "جی سائیں..."

"کشتی ڈول رہی ہے.. کوئی خطرہ تو نہیں؟"

"جی سائیں؟" پھر سوال ہوا۔

"کشتی کنارے سے ٹکرا رہی ہے.. کیں اوپر سے پانی تو نہیں آ رہے؟"

"نہیں سائیں.." جعفر کی آواز نیند اور بیزاری میں گندھی ہوئی آئی "ہل جل کے کام میں کشتی تو ڈولتی ہے ناں سائیں.. سو جاؤ' کیں پانی ابھی اتر جائیں گے۔"

کشتی کی حرکت کو وہ اس تال سے ناپتا رہا جو کبھی اس کے بدن پر وارد ہوتی اور ایک تسلسل کے ساتھ دستک دیتی..

پھر کشتی کے ٹکراؤ میں وقفے آنے لگے..

اس کی نیند اچاٹ ہو گئی تھی.. بہت تردد اور کوشش کے باوجود' بھیڑوں کی گنتی کرنے سے لے کر تسبیح کا ورد کرنے تک اس نے اپنے آپ کو نیند کی مدہوشی میں لے جانے کے تمام حربے آزمائے مگر اس کی آنکھیں کھل ہو گئیں اور ہر کروٹ کے ساتھ نیند سے

مزید خالی ہوتی گئیں.. وہ بازو پر سر رکھے' ریت کی ٹھنڈک کو محسوس کرتا' اندھیرے میں گھورتا' آسمانی گنبد میں بجی ٹمٹماتی بارات کو دیکھتا لیٹا رہا.. اور پھر اسے خیال آیا کہ آبی سفر کے اس الجھاؤ نے.. عام زندگی سے یکلخت کٹ جانے کے بعد اس نے عام زندگی کو بھلا دیا تھا.. اپنے بلڈ پریشر کو نارمل رکھنے کے لیے روزانہ کی گولی نہیں نگلی تھی.. اور ایک ناغے کی پاداش میں اگلی صبح اس کا چہرہ لال بھبھوکا ہو جاتا تھا' دل کی دھڑکن بے قابو ہو جاتی تھی... آپ اپنی پچھلی زندگی کی ہر شے پیچھے چھوڑ آتے ہیں لیکن بیماریاں آپ کے ساتھ چلی آتی ہیں' آپ انہیں بھول جانے کی سعی بے شک کریں لیکن وہ آپ کو فراموش نہیں کرتیں.. اس نے اپنی جیب کو ٹٹول کر اطمینان کیا کہ وہاں زفرول کا پتہ موجود ہے اور پھر جعفر کو آواز دی.. اس کے "جی سائیں" کے جواب میں مزید بیزاری تھی.. خاور نے ایک لجاجت بھری سرگوشی میں کہا "ماماں مجھے پانی چاہئے.. میں نے دوائی کھانی ہے"

جعفر اپنے بدن کو کھجلاتا قدرے مدہوش ڈولتا ہوا تاریکی میں سے نمودار ہوا "سائیں آپ ذرا ڈھارس رکھو.. میں نیچے جاکر دریا سے کچھ پانی بھرتا ہوں تمہارے واسطے..."

"نہیں نہیں.. وہ تو گدلا اور آلودہ ہو گا" اسے یاد آیا کہ سامان کی فہرست میں اس نے خاص طور پر منرل واٹر کی بوتلیں لکھوائی تھیں لیکن برمانی نے ان پر لکیر کھینچ دی تھی.. خاور سائیں آپ سندھ سائیں کے پانیوں کی بے عزتی تو نہ کرو.. آپ کے معدے کو وہ کچھ نہیں کہیں گے بلکہ زیادہ پکا کریں گے.. پر سندھ سائیں کے پانی ایسے تھے کہ انہیں دیکھ کر اس کا دل کچا ہوتا تھا.. اس نے مہانوں کے بچوں کو ان کے کنارے فارغ ہوتے دیکھا تھا.. اس کی گدلاہٹ میں بہت کچھ زندہ اور مردہ تیرتا تھا.. وہ ان عناصر کا جزو نہ تھا کہ وہ اس پر اثر نہ کرتے "ماماں جعفر تم لوگ اپنے ساتھ صاف پانی نہیں لائے؟"

جعفر نے اپنا سر کھجایا پھر بدن کے دیگر حصے کھجائے "دریا ساتھ ہے تو پانی ساتھ کیوں لانا تھا سائیں.. مہانوں کے پاس نلکے ٹوٹیاں تو نہیں ہوتے.. ہم لوگ تو ڈیرہ جاتے ہیں تو ٹوٹی کا پانی نہیں پیتے اس میں بیماری ہوتی ہے' مٹکے میں سائیں سندھ کا پانی ساتھ لے جاتے ہیں.. ہم جس پانی کے پونگ ہیں اس میں رہتے ہیں اور اسی کو پیتے ہیں.."

"ڈیم اٹ تم پانی کا پونگ ہو پر میں تو نہیں ہوں.." وہ دانت کچکچا کر بڑبڑایا..

"سائیں کیا کہتے ہو؟" جعفر نے جھک کر دریافت کیا۔

"ادھر کوئی صاف پانی ہے یا نہیں؟"

اس کی ناراضگی کا جعفر پر کچھ اثر نہ ہوا اور وہ آنکھیں ملتا ہوا اس کے پاس گوٹھ مار کر بیٹھ گیا "تھوڑی سی بوٹی بچی ہے سائیں.. اس سے ستھری دنیا میں کوئی شے نہیں.. اس کے ساتھ دوائی کھالو تو مشک آجائے گی سائیں.."

یہ کمبخت بوٹی جو ہے کم از کم الکوحل کی طرح جراثیم وغیرہ سے تو پاک ہو گی..

پہلی بار اس اندھیرے میں جس میں سندھ کے دوپٹے میں ٹانکی گئی مکیش رات کے اس پہر اب مدھم پڑتی تھی جیسے ایک عرصے سے کسی صندوق میں پڑی پڑی اپنی لو کھو چکی ہو اس نے بلڈ پریشر کی گولی منہ میں رکھ کر سلور کے چپکے ہوئے گلاس میں سے بوٹی کا ایک گھونٹ بھرا... عجیب کچا سا سواد تھا.. جیسے چارے کے کھیتوں میں ہریاول کی باس ہوتی ہے.. ہری ہری اور بے ذائقہ... گولی حلق میں آسانی سے اتر کر بدن کے گنجلک نظام میں کہیں اتر گئی.. لیکن پھر بھی یوں محسوس ہوتا تھا کہ وہ اٹکی ہوئی ہے.. اس نے گلاس سیدھا کر کے فہیم کی طرح ایک ہی ڈیک میں خالی کر دیا..

جعفر جدھر سے آیا تھا ادھر ڈولتا ہوا روپوش ہو گیا..

ریتلے کنارے سے کشتی ایک اڑیل بھینسے کی مانند بار بار پیچھے ہٹتی تھی اور پوری قوت سے سر ٹکراتی تھی... اور ریت بھرتی دریا میں گرتی تھی۔

نیند نے اسے مکمل طور پر تیاگ دیا تھا..

اس کی کوری آنکھیں بند نہ ہوتی تھیں..

بارہ کہو کے گھر میں بھی ایسی راتیں بہت آتی تھیں.. وہ اپنے بستر سے الگ ہو کر ٹیبل لیمپ آن کر کے کوئی کتاب پڑھنے لگتا تھا.. گزری ہوئی زندگی کے ان لمحوں کی تصویریں دیکھنے لگتا تھا جب اس کی بیٹیاں اس پر انحصار کرتی تھیں اور اس کے بدن سے لپٹ کر کبھی بھی جدا ہونے کا سوچ بھی نہیں سکتی تھیں.... اور اب وہ ان کے لیے تقریباً معدوم ہو چکا تھا.. ان کے بچے اب ان کے بدن سے لپٹ کر تصویریں اتروا تے تھے اور وہ بھی ان سے کبھی جدا ہونے کا سوچ بھی نہیں سکتے تھے..

اس نے اپنے آپ کو سلیپنگ بیگ سے الگ کیا... کشتی کی ٹھک ٹھک ابھی جاری

تھی.. اٹھا اور اٹھتے ہوئے قدرے لڑکھڑایا.. کہ اس نے اپنے گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر اپنے آپ کو سیدھا نہیں کیا تھا اور پھر ریت میں اپنے ننگے پاؤں کھینچتا بجھے ہوئے الاؤ اور اپنے پڑاؤ سے آہستہ آہستہ پرے ہونے لگا.. گھپ اندھیرے میں وہ ایک نابینا تھا اور ہاتھ پھیلائے سنبھل سنبھل کر چلتا جاتا تھا.. جب ریتلا کنارا بلند ہوا اور وہ اس پر جھکا ہوا اوپر ہوا تو سامنے وہی مدھم پڑتی مکیش کا دوپٹہ تاحد نظر پھیل گیا... سندھ کے پانی جیسے سکوت کی گرفت میں دم بخود تھے' پھیلے ہوئے اور خاموش.. وہ رکا اور پھر ریت پر مہانوں کی مانند گوٹھ مار کر بیٹھ گیا..

نظریں مکیش کے ٹمٹماتے تاروں پر رکھے... آسمان سے اترتے بے آواز پالے میں سکڑتے' ریت میں دھنستے ہوئے وہ تادیر بیٹھا رہا.. اونچے کنارے پر آسن جمائے' گئی رات کے سندھ کے بہاؤ کی نہایت ہی مدھم مدھم سرسراہٹ میں جو اس کے قدموں تلے رواں تھی اور ستارے اس پر ڈولتے اور بجھتے تھے اور ان میں سے کوئی ایک ستارا تھا جس کی لو پانیوں پر تیرتی ان کے پڑاؤ تک آئی تھی اور پھر اپنی کوکھ میں لوٹ گئی تھی..

ایسی دنیا جہاں سے الگ تھلگ تنہائی میں' اس نے کہیں پڑھا تھا کہ شگون آسمانوں سے اترتے ہیں اور آنے والے دنوں کی شکلیں ظاہر کرتے ہیں.... اس تنبیہہ کے ساتھ کہ اگر مستقبل میں برے آثار ہیں تو وہ تمہیں ابھی سے بے حوصلہ کر دیں گے اور اگر اچھے دنوں کی نوید ہے تو ان کے یکدم وارد ہو جانے کی سرخوشی تم سے چھن جائے گی.. اس لیے شگونوں پر دھیان دو گے تو زندگی بے کیف ہو جائے گی.. اس کے باوجود وہ جاننا چاہتا تھا کہ شگون اس بے جواز سفر کا کیا جواز دیتے ہیں.. لیکن آسمان شگونوں سے خالی تھے..

اسلام آباد سے نکلتے ہی.. راول جھیل کو جاتے گھنے درختوں میں بمشکل سانس لیتے راستے سے آگے بارہ کہو کی ان دکانوں سے آگے جہاں مری جانے والے مسافروں کے لالچ میں خورد و نوش کی اشیاء کے سٹال شاہراہ پر امڈتے تھے وہاں بسوں' ویگنوں اور سوزوکیوں کی بھرمار میں دائیں ہاتھ پر ایک سڑک آبادی کے اندر جاتی تھی... جونہی اندر جاتی تھی تو ٹریفک کا ہجوم چھدرا ہو جاتا تھا اور پھر وہ سڑک پراپرٹی ایجنٹس کے دفاتر' نئے گھروں در کشا پس اور تھانے کے وجود سے غفلت برتتی' ذرا ڈھلوان پذیر ہوتی تھی اور یکدم سامنے ندی کا یکطرفہ پل سامنے آجاتا تھا.... یہ سڑک اسلام آباد کی آبی شہ رگ سملی ڈیم تک جاتی

تھی..اس کے آس پاس سطح مرتفع پوٹھوہار کی خصوصی خصلت والی اونچی نیچی بے آباد اور کہیں کہیں سبزے میں ڈھکی پہاڑیاں تھیں اور پھر کسی ایک کو نہیں بہت سارے پیسے کے معاملے میں ذی شعور لوگوں کو یکلخت خیال آیا کہ یہاں ہوا ابھی تک آلودگی سے مبرا تھی' منظر ابھی تک شفاف اور کھنکتے ہوئے تھے اور زمین بنجر تھی اور تقریباً بے دام تھی تو یہاں گھر بن سکتے تھے..صرف ایک چھوٹی سی گرہ یا گانٹھ تھی کہ یہاں اتھارٹی کی جانب سے قانونی طور پر کسی قسم کی کوئی بھی تعمیر کرنے پر پابندی تھی..تعزیر لگتی تھی..یہ گرہ مکمل طور پر تو نہ کھل سکتی تھی لیکن اسے چپکے چپکے کھولنے کے عمل میں مقامی سیاستدان' جمہوریت اور بارسوخ لوگ کسی حد تک معاون ثابت ہو سکتے تھے..

جب عقاب اور سرخاب کہیں اپنا گھونسلا بنانے کا قصد کر لیں تو چڑیاں بھی اپنے چھوٹے دلوں کو ہمت دیتی ہیں اور ان کی جلو میں آشیانے کے تنکے جمع کرنے لگتی ہیں..

خاور بھی ایک ایسی ہی چڑیا تھا۔

اسلام آباد کے سستے ترین سیکٹرز میں بھی اس کے پر جلتے تھے..چنانچہ اس نے بھی عقابوں اور سرخابوں کے سائے تلے ندی کے پار پوٹھوہار کی پہاڑیوں کے سائے میں ایک..اگرچہ ڈرتے ڈرتے..گھر بنالیا..اور اس گھر کو غیر قانونی قرار دے کر اتھارٹی کے بل ڈوزر کئی بار ڈھانے کے لیے آئے تھے مگر آس پاس مقامی ایم این اے کے حواریوں کے بھی گھر تھے..بیوروکریسی کے خوشہ چینوں کے بنگلے بھی تھے اور ایٹمی سائنس دانوں کے قرابت داروں کی بھی آماجگاہیں تھیں..اس لیے وہ بل ڈوزر حاضری لگوا کر دولت پر جھک کر صرف کارروائی ڈال کر واپس چلے جاتے تھے..

سرخابوں اور عقابوں کے نشیمن ایک چڑیا کے گھونسلے کے وجود سے بے خبر ہونے کے باوجود اس کی بقا کے ضامن بن گئے تھے..

چڑیا کے اس گھونسلے کے اندر..اس گھر کے اندر...خاور کا باورچی کم ڈرائیور کم چوکیدار بشیر ہر شب اپنے فرائض منصبی سے فارغ ہو کر....اسے "اور تو کوئی خدمت نہیں سر.." کہہ کر اسے تنہا چھوڑ کر اپنے کوارٹر میں اپنی نو بیاہتا پہاڑی اور ان پڑھ اور پہلی بار شہر میں آئی ہوئی پراشتیاق دولہن کے ساتھ جا سوتا تھا...کم از کم اس کا کوارٹر تو بار بار ٹھک ٹھک کرتا اس کے گھر کی چاردیواری سے تو نہیں ٹکراتا تھا۔

ہو سکتا ہے اس لمحے ..جب وہ گئی رات میں سندھ کے کناروں پر گوٹھ مارے بیٹھا آسمان سے اترنے والے شگونوں کا منتظر تھا..اس لمحے اس کے گھر کے کھنڈر میں ٹیلی فون کی گھنٹی بج رہی ہو..

اس کے بچے..اس کی بیٹیاں ہمیشہ رات کے اس پہر اسے فون کرتی تھیں کہ یہ اقتصادی طور پر انہیں موافق آتا تھا...ہیلو ڈیڈی آپ سو تو نہیں گئے تھے..میں نے آپ کو ڈسٹرب تو نہیں کیا...میں ثانیہ بول رہی ہوں..آواز آ رہی ہے ناں..آر یو آل رائٹ ڈیڈی..بلڈ پریشر کی گولی کھالی ہے..سستی نہیں کرنا ڈیڈی..آئی لو یو..ٹیک کیئر..بائے..

ابا جی..کی حال اے؟..ہیلو والد جی..عائشہ ہیئر...آئی مس یو..

ڈیڈ...ہاؤ آر یو...انجائنگ یور سیلف..کتنا اچھا لگتا ہے آپ کی آواز سن کر..نہیں ڈیڈ ثانیہ اور عائشہ سے ملاقات تو نہیں ہوئی..ہم مختلف سٹیٹس میں ہیں ناں ڈیڈ..آپ کو پتہ نہیں کہ یہاں فاصلے کتنے ہیں..لیکن فون پر بات ہوتی رہتی ہے..ہم تینوں آپ کے لیے بہت فکر مند ہیں ڈیڈ....جلال ابھی تک ہاسپٹل سے نہیں آئے تو میں نے سوچا کہ آپ کہ آپ...

وہ تینوں..بغیر کسی منصوبے کے..جیسے جیسے رشتے ملتے گئے..وہ تینوں امریکہ میں تھیں۔

ہمیشہ گئی رات ان کی محبت جاگتی تھی اور وہ اس کے اظہار کے لیے فون کرتی تھیں..لیکن پاکستان آنے کا نام نہیں لیتی تھیں....بس ڈیڈی آئی پرامس نیکسٹ ایئر انشاءاللہ...ان دنوں تو میں بے حد مصروف ہو گئی ہوں..ایک اللہ والی کے درس اٹینڈ کرتی ہوں...ہولی پرافٹ واز دی گریٹسٹ ہیومن بی انگ...سچ اے کیوٹ پرسن..میں نے تو اب ریالائز کیا ہے..ڈیڈ آپ نماز تو باقاعدگی سے پڑھتے ہیں ناں..یہ فرض ہے ناں..اپنا خیال رکھا کریں..سردیوں کے لیے میں بہت تھک سویٹر بھیج رہی ہوں آپ کے لیے....ڈیڈ آئی مس یو...

اسے مرے ہوئے دس برس ہو گئے تھے..اور ہر ٹیلی فون کال کے بعد اسے وہ یاد آتی تھی جو خاموشی سے اس کا خیال رکھتی تھی۔

شائد اسی لمحے بارہ کہو کے کھنڈر میں اس کی تینوں میں سے ایک غمزدہ بیٹی کے ٹیلی

فون کی گھنٹی لگاتار بج رہی ہو..

بُوٹی اس کے اندر مشک مچا رہی تھی..

وہ ریت میں دھنسا بیٹھا تاریکی میں تاریک ہوتا تھا.. دریا کی قربت میں ایک سرد یلی بے چینی کی بجائے ایک آرام دہ آسودگی اس کے بدن میں جذب ہوتی چلی جاتی تھی.. سندھ کی چادر میں ٹانکے ہوئے تارے مدھم ہو کر ایک ایک کر کے ڈوبتے جاتے تھے.. اس کے پپوٹے نیند سے بھاری ہونے لگے.. بند ہونے لگے.. صرف آنکھیں بند ہونے سے پانی کی رواں سرسراہٹ قدرے قریب محسوس ہونے لگی.. یہاں سے اٹھ کر اپنے سلیپنگ بیگ تک جانے اور اس میں گھس کر سو جانے کے لیے جو ارادہ درکار تھا وہ کاہلی کے سامنے ڈولتا تھا..

پپوٹوں پر ہلکی روشنی کا شائبہ سا ہوا.. اس نے آنکھیں کھول دیں.. اور وہاں... روشنی تھی.. سندھ کے پانیوں میں کروٹیں ابھر رہی تھیں.. ان میں ہلچل سی پیدا ہوئی' جتنے بھی ستارے بر آب تھے' مکیش کے چند ٹانکے جو ابھی ڈوبے نہ تھے ان کا جمود ٹوٹا اور وہ بری طرح لرزنے لگے جیسے کوئی وجود ان کے سکوت میں ہل چلاتا داخل ہو گیا ہو.. پہلے اس کا پانیوں پر اٹھا ہوا فوکدار بھاری پن تاریکی میں سے ظاہر ہوا پھر گورا کپتان ایک ہاتھ سے اپنی کیپ درست کرتا' نیلے بلیزر میں اڑسی ہوئی ٹائی ٹٹولتا اور دوسرا ہاتھ نئے مکور ہیملٹن ونڈسر کے بنے ہوئے وہیل پر جمائے اسے آہستہ آہستہ دائیں بائیں حرکت دیتا دکھائی دیا... پھر عرشے کی روشنیاں تاریکی کو سمیٹتی ظاہر ہوئیں.. ریلنگ کے اوپر گیس کے ہنڈولے لٹکتے تھے جن کی دودھیا روشنی میں عرشے پر موجود مسافروں کے چہرے آہستگی سے دودھیا روحوں کی طرح حرکت کرتے تھے..

گیس لیمپس کی روشنی سندھ کے پانیوں پر پڑتی اور حرکت کرتی جاتی تھی.. مسافروں کی آوازوں کی بھنبھناہٹ اس تک آ رہی تھی۔

''انڈس کوئین'' اس کے سامنے پانیوں پر منعکس کہیں کہیں ٹمٹماتے جو دیئے تھے انہیں دھکیلتی چلی جا رہی تھی.. کچھ مسافر ریلنگ کا سہارا لے کر ادھر دیکھتے تھے جدھر وہ ایک اونچے کنارے پر ریت میں دھنسا بیٹھا انہیں دیکھتا تھا.. اور وہ اسے نہ دیکھتے تھے کہ وہ تاریکی کا ایک جز تھا پر انہیں دیکھ سکتا تھا کہ وہ گیس کے ڈولتے ہنڈولوں کی روشنی میں تھے..

"انڈس کوئین" ایک جگمگاتی گہما گہمی میں آوازوں کی بھنبھناہٹ پیچھے چھوڑتی سندھ میں رواں تھی..

ریلنگ کے آسرے سے جو مسافر سامنے تاریکی میں کچھ نہ دیکھتے تھے یونہی بے سبب گھورتے چلے جاتے تھے ان میں سے کچھ تھے جن کے ہاتھوں میں باریک کرسٹل کے گلاس تھے جن میں برانڈی اور سکاچ کے سنہری پانی "انڈس کوئین" کے عرشے کی خفیف سرزش سے دمکتے تھے اور کچھ ایسے تھے جو اپنی پگڑیاں سنبھالتے تھے مونچھیں سنوارتے تھے اور نظر رکھتے تھے کہ کب صاحب یا میم صاحب کا گلاس خالی ہو اور کب وہ اسے دوبارہ لبریز کرنے کی سعادت حاصل کریں..

کہیں یہ بوئی تو نہیں جو مشک مچاتی ہے اور فریب دیتی ہے اور وہ کچھ دکھاتی ہے جو وہاں نہیں ہو سکتا..

پر یہ "انڈس کوئین" ہی تھی جو اس کے سامنے سندھ کی رات میں سفر کرتی تھی.. اس کے مستول پر ایک یونین جیک مرجھا رہا تھا.. اور حیرت یہ بھی تھی کہ عرشے کے کونے میں واقع اس لیٹرین کی دیواریں اب بھی نہیں تھیں اور کموڈ پر ایک بوڑھا انگریز اطمینان سے بیٹھا تھا' اس اطمینان سے کہ دیواریں ہیں..

ریلنگ کے سہارے گیس کے ہنڈولوں کی لرزتی روشنی سے ہٹ کر نیم تاریکی میں ایک ایسی عورت کھڑی تھی جسے وہ جانتا تھا...

عرشے پر جو مسافر چہل قدمی کر رہے تھے' ریلنگ پر جھکے تاریک پانیوں میں جھانکتے تھے سفر کی رات میں مخمور خوش اور بے حجاب تھے وہ ان سے الگ تھی' فاصلے پر تھی' اپنے آپ کو پوشیدہ رکھتی' حیادار غلافی آنکھوں کو سنبھالتی' تین جوان بیٹوں کی نابالغ ماں.. اپنے خاوند کی جنسی قوت سے تنگ آئی ہوئی' ہینڈ بیگ میں سپیشلسٹس کی رپورٹیں چھپائے... وہی تھی۔

لیکن بقیہ مسافروں سے الگ.. بدنامی کے دھبوں سے ڈرتی ہوئی.. وہی تھی۔

وہ نہیں جانتی تھی کہ اندھیرے کے پار ایک ریتلے ٹاپو کے اونچے کناروں پر ریت میں دھنسا بیٹھا وہ مرد ہے.. جس کی بے ثمر چاہت میں اس نے اپنے آپ کو فاش کر دیا تھا.. اپنے گھروندے کی دیواریں مسمار کر کے اپنے آپ کو عریاں کر دیا تھا' بے پردہ اور نمایاں کر دیا تھا۔

"انڈس کوئین" اس کی نظروں کے سامنے گیس کے ہنڈولوں سے روشن جگمگاتی آوازوں سے جھنجھناتی سندھ کے پانیوں کو پچھاڑتی چلی جارہی تھی اور عرشے کے ایک کونے میں ریلنگ کے سہارے اپنی زندگی کے بقیہ دن متعین کرتی غلافی آنکھیں جھپکتی وہ کھڑی تھی' اس کی جانب دیکھتی تھی.. پر اسے نہیں دیکھتی تھی.. اگر دیکھ لیتی تو بلا سوچے سمجھے بے دریغ ریلنگ پر پاؤں رکھ کر پانیوں میں کود جاتی اور تیرتی ہوئی اس تک پہنچ جاتی کہ وہ اسی قسم کا پاگل خانہ تھی..

"می آؤں.. می آؤں"

ایک مور اس کے کان میں بولتا تھا اس کے اونگھتے بدن اور بھیتر میں بولتا تھا..

اس کے اُس کان میں بولتا تھا جو کشتی کے چھپر تلے لیٹے ہوئے آزاد تھا اور سندھ سے آتی نم ہوا کو محسوس کرتا تھا اس کان میں بولتا تھا اور زور زور سے بولتا تھا 'می آؤں.. می آؤں... چونکہ وہ کروٹ لے کر لیٹا ہوا تھا اس لیے دوسرا کان جو گندے گدیلوں میں دھنسا ہوا تھا اس کی کرخت آواز سے قدرے محفوظ تھا.. پکار پہنچتی تو تھی لیکن مدھم اور ڈوبتی ہوئی.. اس نے پہلو بدل کر کروٹ لی.. تو مور بھی کروٹ بدل کر دوسرے کان میں بولنے لگا..

یہ عمر کا بہاؤ اور زوال ہے جس میں وہ کچھ سنائی دیتا ہے جو بولتا نہیں.... اور وہ کچھ دکھائی دیتا ہے جو ہوتا نہیں..

پچھلی شب ریت کے ٹاپو پر پہلی رات میں..

جب "انڈس کوئین" کی جھلملاتی روشنیاں پانی پر اپنے عکس چھوڑ کر آگے چلی گئی تھیں تو وہ انہیں دیکھتا رہا.. ایک "انڈس کوئین" اوجھل ہو چکی تھی اور دوسری وہیں اپنی روشنیوں سمیت پانی پر نقش تھی.. اور یہ نقش بھی آنکھ جھپکنے سے گھل گیا.. لیکن وہ وہیں رہی.. اسی حالت میں 'اس ریلنگ کو تھامے جو اب وہاں نہیں تھی 'اس کے چہرے پر جو ہلکی سی دودھیا روشنی تھی وہ بھی اس کے ساتھ ٹھہری رہی اپنے گیس لیمپ کے ساتھ انڈس کوئین کے ہمراہ رخصت نہیں ہوئی... سندھ کی تاریکی کے اوپر ایک اندھیرے خلا میں اپنی غلافی آنکھیں جھپکتی وہ اسی طور کھڑی رہی.. "انڈس کوئین" نے سیاہ منظر کو خالی کیا تو وہ مادہ

مینڈکوں اور جھینگروں کے شور سے زندہ ہو گیا۔ ان بولیوں میں پانی کی جانے کیا کیا مخلوق تھی جو شامل ہوتی جاتی تھی اور پھر ایک پرندہ تھا جو شب بھر بولتا رہا تھا.. وہ دکھائی تو نہ دیتا تھا لیکن اسے محسوس ہوتا تھا کہ وہ معدوم ہو چکی ریلنگ کے سہارے کھڑی غلافی آنکھوں کے آس پاس سے کہیں بولتا تھا..

اس ایک پرندے نے عمر بھر اسے چین نہیں لینے دیا تھا..

وہ نہیں جانتا تھا کہ اس کے پروں کے رنگ کیسے ہیں' وہ کس شکل کس نسل کا ہے.. اس کی چونچ کیسی ہے' کہاں سے آجاتا ہے اور اس کے بدن کے کس ٹہنی پر بیٹھتا ہے اور بولنے لگتا ہے..

وہ ہمیشہ تاریکی کے دل میں بولتا تھا اس لیے دکھائی نہ دیتا تھا..

بچپن سے لے کر اب تک... جہاں کہیں اس کے لیے شرمندگی' شکست موت یا محبت کی قربت ہوتی وہ بولنے لگتا تھا۔

وہ بھی اس کی عمر کا تھا لیکن نہ اس کا سانس پھولتا تھا نہ اس کی آواز میں نقاہت آتی تھی نہ وہ تھکتا تھا' بس ویسے ہی بولتا تھا جیسے وہ رسول پور کی کچی گلیوں کی ویرانی اور دل کو کھا جانے والی سیاہ دوپہروں میں پہلے پہل بولا تھا.... اس پر عمر کا کچھ اثر نہ ہوا تھا۔

نوجوانی میں تو اسے یقین ہو گیا تھا وہ اطمینان میں چلا گیا تھا کہ وہ ایک عارضی.. سرد تنہائیوں اور برفیلی رتوں سے تنگ آکر گرم موسموں کی تلاش میں اڑان کر کے اس کی زندگی میں ایک عارضی گھونسلا بنا کر اپنے وجود کا اعلان کر کے پھر ہمیشہ کے لیے رخصت ہو جانے والا ایک پرندہ تھا... وہ اس دوران جیسے تھا ہی نہیں.. اتنے عرصے وہ بالکل چپ رہا تھا.. اسی لیے وہ اطمینان میں چلا گیا تھا کہ میں نے اس کے آخری بول سن لیے ہیں..

لیکن عمر کی پہلی جھری نے جب چہرے پر کروٹ بنائی تو وہ پھر کہیں سے بولا..

پھر وقفے وقفے سے اس کے بول سنائی دینے لگے..

ہر نئی جھری کے ساتھ... جونہی کوئی شکن ابھرتی وہ بولنے لگتا اور اس کی آواز ہر مرتبہ قریب آتی جاتی۔

وہ کہیں نہیں گیا تھا.. اس کے بھیتر میں بسیرا کر چکا تھا... گھونسلا بنا کر شکنوں اور جھریوں کے نمودار ہونے تک چپ تھا.... اور اب مسلسل بولتا تھا.. اسے چین نہ

لینے دیتا تھا..

یہ پچھلی شب میں ہوا تھا..

لیکن آج...اب..جب کشتی کو ٹھلتے ہوئے دوپہر ہونے کو تھی اور وہ چھپر چھت تلے اونگھ رہا تھا.. پچھلی رات میں جو نیند رہ گئی تھی اس کے خمار میں اونگھتا تھا تب وہ مور بولنے لگا تھا..پرندہ وہی تھا مگر مور کے روپ میں تھا..می آؤں..می آؤں!

خوشی کا چار مرغابیوں سے کوئی تعلق نہ تھا.اُن دو سے بھی نہیں جو سرور کے نشانے سے بچ نکلی تھیں تو پھر یہ مور کیوں بولتا تھا..وہ اٹھا اور بمشکل اپنا توازن قائم رکھتے ہوئے کیل سے لٹکتے نیلے پلاسٹک میں جڑے آئینے میں اپنے آپ کو دیکھا..یقیناً کہیں ایک اور شکن اس کے چہرے پر ابھری تھی جو یہ مور بولتا تھا لیکن وہ اس شکن کو تلاش نہ کر سکا...شاید وہ چہرے پر نہیں بدن کے کسی اور حصے میں ابھری تھی..

اس نے سر جھکا کر کشتی کے پائیدان پر پاؤں رکھا اور اپنا ہاتھ آگے کر دیا..سرور نے اس کا ہاتھ سیاہ پنجے میں جکڑ لیا اور وہ اس کے سہارے باہر آ گیا..تیز دھوپ نے اس کی اونگھتی آنکھوں میں چمک اور نمی بھر دی..وہ پائیدان پر چلتا عرشے کی اٹھی ہوئی تکون کے تختوں پر آ کھڑا ہوا...اپنے آپ کو مسلسل سنبھالتا..اگرچہ کشتی کے بہنے میں کوئی رکاوٹ کوئی اٹک یا جھول نہ تھا اس کے باوجود پانیوں پر رواں ہر شے میں اس کے وجود میں زمین سے الگ ہو کر ایک بے یقینی سی ہوتی ہے..ایک بے نام لرزش بدن کو ہوشیار رکھتی ہے..

کشتی گہرے پانیوں میں تھی اور ایسے آسانی سے کھسکتی آگے ہوتی جاتی تھی جیسے اس کے پیندے پر چربی کی تہہ تھی اور وہ پانیوں کی کوکھ میں پھسلتی ہوئی بے آواز داخل ہوتی جاتی تھی..

سندھ کے پانیوں پر جہاں کہیں سورج ترچھا ہو کر اپنی پوری آب و تاب سے لشکتا تھا ادھر نظریں جاتی تھیں تو چندھیا جاتی تھیں...کنارا دور نہ تھا..وہاں کائی 'سرکنڈوں' آک اور لانی کے بوٹوں کا گھنا ذخیرہ ابھرتا تھا۔ خزاں رسیدہ زردی اور نیم ہریاول کی ایک پٹی پانیوں کے ساتھ ساتھ چل رہی تھی۔

اس ذخیرے کی زردی اور نیم ہریاول کے اندر سے ایک بار پھر ایک مدھم سی آواز آئی..می آؤں!می آؤں!

خزاں رسیدہ زردی بھی اس کے بھیتر میں تھی اور ابھی تک کچھ ہریاول بھی باقی تھی اور اس میں اس نے اپنا گھونسلا بنا رکھا تھا۔

ماماں جعفر کشتی کی نوک پر کھڑا اپنی مختصر لنگی میں مشکل سے لپٹا آنکھوں کے سامنے ایک چھجہ بنائے سندھ کے پانیوں کو تکتا تھا۔ ایک منحنی سیاہ ابور جنی کیپٹن اباب جو اس سفید وہیل موبی ڈک کی تلاش میں تھا جو اس کی ٹانگ چبا کر سمندروں میں روپوش ہو چکی تھی۔

"ماماں جعفر..."

جعفر نے چونک کر پیچھے دیکھا اور اسے اپنے قریب پا کر کیپٹن اباب سے یکدم ایک قدموں میں بچھ جانے والا سیاہ فام غلام ہو گیا "جی سائیں.."

"کیا کرتے ہو؟"

"نظارہ کرتا ہوں سائیں.. آپ تو اندر سوتے ہو ناں.. نظارہ نہیں کرتے.."

"سائیں سندھ کے پانیوں اور کناروں کا نظارہ کوئی کہاں تک کرے.."

"جہاں تک حیاتی ہے سائیں.. میری جم پل تو ادھر پانیوں پر ہی ہوئی سائیں.. پر ساری حیاتی میں کبھی ایسا نہیں ہوا کہ ایک ہی نظارہ دوبارہ دیکھا ہو... آنکھ جھپکتا ہوں ناں تو نظارہ بدلا کھڑا ہے.. ابھی آپ جب آرام کرتے تھے ناں تو ایک کالا پرندہ پانیوں پر اترا تھا.. ایک کرڑ آسمان سے آیا تھا جسے ہم دریائی عقاب بولتے ہیں.. پانیوں کے اندر غرق ہو گیا پھر باہر آیا ہے تو اس کی چونچ میں... میں جھوٹ بولوں تو مجھے تیرنا بھول جائے.. اس کی چونچ میں کچھ نہیں تو تین کلو بھار کی مچھلی پھڑکتی تھی جسے وہ آسانی سے اوپر عرش تک لے گیا تھا... مچھلی پانی سے باہر آجائے تو اس کا زور اور طاقت سوگنا ہو جاتے ہیں.. میرے ہاتھوں میں آئی ہوئی ایک چھوٹی سی مچھلی میری انگلیاں توڑ دیتی ہے اپنی جان بچانے کے لیے.. اور وہ کرڑ اسے عرش پر لے گیا تھا.. اس کی چونچ شکنجہ تھی سائیں.. یہ نظارہ میں نے کیا سائیں.."

"ایسا نظارہ تم نے پہلے کبھی نہیں کیا؟"

"کیا سائیں.. پر میں نے بولا ہے ناں کہ آنکھ جھپکتا ہوں تو نظارہ بدلا کھڑا ہے.. کرڑ کے دریائی عقاب کو مچھلی دبوچتے بہت بار دیکھا ہے.. پر سائیں ہر بار کرڑ کوئی اور ہوتا ہے 'وہی ہو تو بھی جس مچھلی کو وہ اپنی چونچ کے شکنجے میں باندھ کر پانیوں کے اندر سے